سیرت رسول ﷺ اور جہاد کے عصری تقاضے
(قرآن کی روشنی میں)

سید مزمل حسین نقوی[1]
muzammilhussainnaqvi5@gmail.com

کلیدی کلمات: ابتدائی جہاد، دفاعی جہاد، جہاد اکبر، جہاد اصغر، دہشت گردی

خلاصہ

دین انسان کو دنیا میں پر امن اور آخرت میں کامیاب دیکھنا چاہتا ہے، دین میں جنگ، قتل وغارت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام کو فطری اور امن پسند دین کہا گیا ہے، جبکہ اس کی الہامی کتاب میں جہاد پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن میں تقریباً چوہتر آیات جہاد کے متعلق ہیں جن میں جہاد کے بہت سے فائدے بیان کئے گئے ہیں۔ لغت میں لفظ جہاد جہد سے ماخوذ ہے جس کی معنی طاقت اور مشقت برداشت کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً ہر وہ عمل جہاد ہے جس سے اسلام کا بول بالا ہو، شعائر ایمان قائم ہو۔ جہاد کی مختلف قسمیں بنتی ہیں مثلاً جہاد بالعلم، جہاد بالعمل، جہاد بالمال، جہاد بالنفس اور جہاد بالسیف وغیرہ۔ قرآن دفاعی جنگ کی حمایت کرتا ہے اور ابتدائی جنگ کو ناپسندیدہ سمجھتا ہے۔ اسلام دفاعی جنگ میں بھی انسانی اقدار کی پاسداری کی تاکید کرتا ہے، مثلاً جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا، پناہ مانگنے والوں کو پناہ دینا، جنگ میں خواتین، بچوں اور بوڑھوں وغیرہ کی حفاظت کرنا، کھیتوں کو آگ لگانے، درختوں کو کاٹنے، پانی کو زہر آلودہ کرنے سے منع کرنا۔ لہٰذا دہشت گردی کو ہرگز جہاد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ آنحضرتؐ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ دشمنوں کو صلح کی دعوت دی جائے۔ مذاکرت سے مسائل حل کئے جائیں۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ اسلام میں ظاہری دشمن کے مقابلے میں باطنی دشمن کے ساتھ جنگ کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ظاہری دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اصغر کہا گیا ہے اور باطنی دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اکبر کیا گیا ہے۔ پس اسلامی جنگوں کا مقصد اپنے نظریات کو جبر واکراہ کے ساتھ دوسروں پر مسلط کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ جنگیں جبر اکراہ اور ظلم وبربریت کے خلاف لڑی گئی ہیں۔

مقدمہ

دین انسان کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ دین اسے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔ اس کی دنیاوی اور اخروی بھلائی کا ضامن ہوتا ہے۔ اسے دنیا میں پُرامن اور آخرت میں کامیاب دیکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا الٰہی اور فطری دین میں جنگ، قتل وغارت اور خونریزی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جنگ ایک ہولناک شئے ہے، قتل اور غارت گری کا نام ہے۔ انسانی فطرت اس سے متنفر ہے۔ انسان امن پسند ہے۔ ہمیشہ سکون کی تلاش میں رہتا ہے۔ جنگ وخونریزی سے نفرت کرتا ہے۔ پس وہ دین، الٰہی اور فطری نہیں ہوسکتا جو جنگ پر زور دیتا ہو اور اسے اپنے بنیادی ارکان میں سے قرار دیتا ہو۔ دین وہی صحیح اور فطرتی ہے جو صلح وآتشی کا پرچار کرتا ہو۔ جنگ وجدل سے منع کرتا ہو۔

اسلام کو اہل اسلام، الٰہی، فطری اور امن پسند دین کہتے ہیں۔ جبکہ اس کی الہامی کتاب میں جہاد پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں تقریباً چوہتر آیات جہاد کے متعلق ہیں۔ جن میں جہاد کرنے والوں کو بلند ترین درجات کی بشارت دی گئی ہے اور اس کے بہت سے فائدے بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً

ا۔ جہاد کامیابی کا وسیلہ ہے۔

سورہ مائدہ آیت ۳۵ میں خدا فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

---

[1] ۔ ڈائریکٹر نور الہدیٰ فاصلاتی نظام تعلیم، بارہ کہو، اسلام آباد

یعنی: "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ"
اس آیت میں کامیابی کے لئے تین چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ تقویٰ، وسیلہ اور جہاد۔
۲۔ بہترین تجارت۔
سورہ صف آیت ۱۱، ۱۰ میں خدا فرماتا ہے:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍO تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔
یعنی: "اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی راہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اپنی جان اور مال کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرو۔ اگر تم سمجھو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔"
۳۔ جہاد کرنے والوں کے لئے ہر قسم کی بھلائی ہے۔
سورہ توبہ آیت ۸۸ میں ارشاد ہوتا ہے:
لَـكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ مَعَهُ جَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَأُوْلَـئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔
یعنی: "جبکہ رسول ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی جانوں اور اموال کے ساتھ جہاد کیا انہی کے لئے ہر قسم کی خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔"
۴۔ جہاد کرنے والوں کے لئے بخشش اور رزق کریم ہے۔
سورہ انفال آیت ۷۴ میں ارشاد ہوتا ہے:
وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُولَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔
یعنی: "اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا نیز جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو پناہ دی اور مدد کی یقیناً یہی حقیقی مومن ہیں اور ان کے لئے بخشش اور رزق کریم ہے۔"
۵۔ جہاد کرنے والے عظیم درجات کے حامل ہیں۔
سورہ توبہ آیت ۲۰ میں خدا فرماتا ہے:
اَلَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللهِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ۔
یعنی: "جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے اموال اور جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کیا ان کا خدا کے نزدیک عظیم درجہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔"
ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے جہاد کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور جہاد کرنے والوں کے لئے بہت بڑا اجر رکھا ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جہاد سے مراد کیا ہے؟ کیا مشرکین اور بے دین لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانے کو جہاد کہتے ہیں۔ یا یہ جہاد کی ایک قسم ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت سے امور ہیں جنہیں انجام دینے کو جہاد کہا جاتا ہے۔ اس مقالے میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ قرآن میں جہاد کے متعلق کیا بیان کیا گیا ہے۔

جہاد کے معانی

لغوی معنی: لفظ جہاد جہد سے ماخوذ ہے، جس کی معنی طاقت اور مشقت برداشت کرنے کے ہیں۔ ابن منظور اپنی شہرہ آفاق کتاب لسان العرب میں جہد کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

الجهد　　　الطاقة۔۔　　　وقیل　　　الجهد　　　المشقة۔(1)

یعنی: "جہد کے معنی طاقت کے ہیں اور بعض نے مشقت کے معنی بھی کئے ہیں۔"

پس جہاد کے معنی ہوئے اپنی پوری طاقت استعمال کرتے ہوئے کسی کام کے کرنے میں پوری کوشش کرنا۔

اصطلاحی معنی

سید علی طباطبائی اپنی فقہی کتاب ریاض المسائل میں اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بذل الوسع بالنفس والمال في محاربة المشركين او الباغين علی الوجه المخصوص وقیل انه بذلهما في اعلاء كلمة الاسلام واقامة شعائرالایمان۔(2)

یعنی: "مشرکین اور باغیوں کے ساتھ جنگ کے لئے اپنی جان اور مال کے ساتھ ایک خاص وجہ پر کوشش کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اسلام کی سربلندی اور شعائر ایمان کو قائم کرنے کے لئے جانی اور مالی کوشش کو جہاد کہتے ہیں۔"

اس عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر وہ عمل جہاد ہے جس سے اسلام کا بول بالا ہو۔ شعائر ایمان قائم ہوں، چاہے اس کا تعلق مشرکین کے خلاف تلوار اٹھانے سے ہو یا خود اسلامی معاشرے کی ترقی وپیشرفت سے ہو۔ مثلاً ایسے کام کرنا بھی جہاد کہلائے گا جس سے اسلام کی حاکمیت کو قوت ملے یا کسی انسان کو فائدہ حاصل ہو۔ روایات میں مختلف اُمور کو جہاد سے تعبیر کرنا، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسلام انسان کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ بندگانِ خدا کی خدمت کو عظیم عبادت قرار دیتا ہے۔ عالم کی عبادت کو عابد کی عبارت سے افضل سمجھتا ہے، کیونکہ عالم کے عمل میں دوسروں کو بھی فائدہ ہوتا ہے جبکہ عابد کے عمل میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح عاقل کے عمل کو جاہل کے عمل سے بہتر قرار دیتا ہے، کیونکہ جاہل صرف خود کو دیکھتا ہے، جبکہ عاقل دوسروں کو بھی مد نظر رکھتا ہے۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں: ولمثقال ذرة من برالعاقل افضل من جهاد الجاهل الف عام۔(3) یعنی: "عاقل کی ذرہ برابر نیکی جاہل کے ہزار سال کے جہاد سے افضل ہے۔"

مختصر یہ کہ اسلامی شریعت میں دین کی اشاعت وترویج اور سربلندی کے لئے اپنی تمام ترجانی، مالی، لسانی اور ذہنی صلاحیتوں کو وقف کرنا جہاد کہلاتا ہے۔ اس سے جہاد کی مختلف قسمیں بنتی ہیں مثلاً جہاد بالعلم، جہاد بالعمل، جہاد بالمال، جہاد بالنفس اور جہاد بالسیف وغیرہ۔

جہاد کی اقسام

ا۔ جہاد العلم

یہ وہ جہاد ہے جس کے ذریعے قرآن وسنت پر مبنی احکام کا علم پھیلایا جاتا ہے تاکہ کفر وجہالت کے اندھیرے ختم ہوں اور دنیا رشد وہدایت کے نور سے معمور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کا نور پھیلانے کے لئے آخر میں الہامی کتاب قرآن کریم کے ذریعے منکرین حق کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے۔ قرآن میں ارشاد الٰہی ہوتا ہے:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔(4)

یعنی: "پس آپ کافروں کی بات ہرگز نہ مانیں اور اس (قرآن) کے ذریعے ان کے ساتھ بہت بڑا جہاد کریں۔"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آیت اللہ ناصر مکارم تفسیر نمونہ میں لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہاں جہاد سے مراد فکری اور تبلیغی جہاد ہے نہ کہ مسلحانہ جہاد۔ کیونکہ یہ مکی سورہ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ جہاد بالسیف کا حکم مکہ میں نازل نہیں ہوا۔(5)"

اسی طرح فضل بن حسین طبرسی اپنی کتاب تفسیر میں لکھتے ہیں:

وفی هذا دلالة علی ان من اجل الجهاد واعظمه منزلة عند الله سبحانه جهاد المتکلمین فی حل شبه المبطلین واعداء الدین ویمکن ان یتأول علیه قوله رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر۔ (6)

یعنی: "اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک عظیم ترین جہاد یہ ہے کہ دین کے دشمنوں کے شبہات کو ختم کر دیا جائے۔ ممکن ہے یہ حدیث کہ "ہم جہاد اصغر سے واپس آئے ہیں اور اب ہمیں جہاد اکبر کرنا ہے" اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہو۔"

علم کا حاصل کرنا، کسی اچھی بات کو سیکھنا اور پھر دوسرے کو سکھانا اور تعلیم دینا اللہ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ عمل ہے۔ خدا کے نزدیک ایسا کرنے والے کے لئے بہت بڑا درجہ ہے۔ احادیث میں اسے مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

من جاء مسجدی هذا لم یأت الا لخیر یتعلمه او یعلمه فهو بمنزلة المجاهد فی سبیل الله۔ (7)

یعنی: "جو میری اس مسجد میں صرف خیر سیکھنے یا کسی کو سیکھانے کے لئے آیا تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کے مقام و مرتبے پر ہے۔"

نیز ابن عباس کہتے ہیں: افضل الجهاد من بنی مسجداً یعلم فیه القرآن والفقة والسنة۔ (8)

یعنی: "اس شخص نے افضل ترین جہاد کیا جس نے مسجد تعمیر کی تاکہ اس میں قرآن، فقہ اور سنت کی تعلیم دی جائے۔"

فضیل بن عیاض آیت والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا عنکبوت/ ۶۹ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: والذین جاهدوا فی طلب العلم لنهدینهم سبل العمل به۔ (9)

یعنی: "اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد کرتے ہیں تو پھر یقیناً انہیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں کی تفسیر یہ ہے کہ جو حصول علم میں کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اس پر عمل کی راہیں دکھا دیتے ہیں۔"

جہاد بالعمل:

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

افضل الجهاد الامر بالمعروف والنهی عن المنکر۔ (10)

یعنی: "بہترین جہاد نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا ہے۔"

یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اگر زبان سے ہوگا تو جہاد باللسان کہلائے گا۔ اگر ہاتھ سے ہوگا تو جہاد بالید کہلائے گا اور اگر دل سے ہوگا تو جہاد بالقلب کہلائے گا۔ یہ مفہوم اس حدیث سے آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مامن نبی بعثه الله فی امة قبلی الاکان له من امته حواریون و اصحاب یأخذون بسنته ویقتدون بامره ثم انها تخلف من بعد هم خلوف یقولون مالایفعلون ویفعلون ما لایؤمرون فمن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن و لیس وراء ذلك من الایمان حبة خردل۔ (11)

یعنی: "مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا ہے اس کی امت میں اس کے کچھ مددگار اور رفقاء ہوتے تھے۔ وہ اپنے نبی کی سنت کو اپناتے تھے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد کچھ ناخلف آگئے۔ جو وہ نہیں کرتے تھے جو کہتے تھے اور وہ کرتے تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا پس جس نے اپنے ہاتھ کے ساتھ ان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے اپنی زبان کے ساتھ ان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے اپنے دل کے ساتھ ان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اس کے علاوہ رائی برابر بھی ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔"

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور و معروف حدیث ہے:

افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر۔ (12)

یعنی: "بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔"

جہاد بالنفس

یہ جہاد کی ایسی قسم ہے جسے جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ جہاد بالنفس یہ ہے کہ ایک صاحب ایمان شخص مسلسل اپنی نفسانی خواہشات سے جنگ کرتا رہے۔ یہ وہ مسلسل عمل ہے جو اس کی پوری زندگی کے ہر لمحے پر محیط ہوتا ہے۔ آیات اور احادیث میں کثرت کے ساتھ نفس اور اس کی تباہ کاریوں اور خرابیوں کا ذکر ہوا ہے، چونکہ شیطان بھی نفس ہی کے ذریعے حملہ آور ہوتا ہے۔ اسی لئے نفس کے خلاف جہاد کی اہمیت کچھ اور بڑھ جاتی ہے۔ نفس تو ہر وقت برائی پر آمادہ رہتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم حضرت یوسف کا قول نقل کرتا ہے:

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ۔ (13)

یعنی: "اور میں اپنے نفس کی برات کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بے شک نفس تو بُرائی پر ابھارتا رہتا ہے۔"

نفس کو قتل تو نہیں کیا جاسکتا، البتہ اس کے خلاف جہاد کرکے اس پر غلبہ پایا جاسکتا ہے۔ جب وہ کمزور ہو جاتا ہے اور اس کی صفات بدلنے لگتی ہیں تو پھر وہ نفس امارہ نہیں رہتا، بلکہ نفس مطمئنہ میں ڈھلنے لگتا ہے۔ نفس کی آفات میں یہ بھی ہے کہ انسان کی طبیعت اپنی تعریف، اچھے ذکر اور ستائش کو پسند کرتی ہے۔ ان کے حصول کے لئے بعض اوقات انسان منافقت اور ریاکاری سے بھی کام لے لیتا ہے۔

شرک خفی بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ لہٰذا یہ جہاد درحقیقت انسان کی خود ساختہ کبریائی کے خلاف ہے۔ عبادتوں کی ریاکاری اور زہد و تقویٰ کی منافقت کے خلاف ہے۔ ذہنوں میں پنپنے والی جنسی آلودگی کے خلاف ہے۔ خون میں دوڑنے والی انانیت، غرور اور فرعونیت کے خلاف ہے۔ طمع، حرص، لالچ، بغض جھوٹ، غیبت، حسد، کینہ، مکروفریب اور ظاہری نمود و نمائش کے خلاف ہے۔ انسان کی اندرونی سرکشی اور بغاوت کے خلاف ہے۔

یہ جہادی عمل ایک مسلسل عمل ہے جو انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ البتہ ایک مشکل اور دشوار عمل ہے۔ لیکن اگر نفس کو مطیع کرلیا جائے اور اس کا تذکیہ ہو جائے تو شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جہاد بالمال اور جہاد بالسیف کی نوبت تو کبھی کبھی آتی ہے لیکن جہاد بالنفس ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ جو نفس پر غالب آگیا وہ کامیاب اور فاتح ہے۔ اسی سلسلے میں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا۔ (14)

یعنی: "جس نے اسے پاک رکھا وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے اسے آلودہ کیا وہ ناکام ہوا۔"

اس لئے جہاد بالنفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول خداﷺ نے مسلمانوں کو ایک جنگ کے لئے بھیجا۔ جب وہ کامیاب ہو کر واپس آئے تو فرمایا:

مرحباً بقوم قضوا الجہاد الاصغر و بقی علیہم الجہاد الاکبر، قیل یا رسول اللہ وما الجہاد الاکبر قال جہاد النفس ثم قال افضل الجہاد من جاھد نفسہ التی بین جنبیہ۔ (15)

خوش آمدید ان افراد کے لئے جو جہاد اصغر کرکے آئے ہیں۔ البتہ ان پر ابھی جہاد اکبر باقی ہے۔ کسی نے پوچھا یہ جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا: جہاد نفس۔ پھر فرمایا بہترین جہاد اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا ہے وہ نفس جو سینے میں موجود ہے۔

جہاد بالسیف

قرآن کریم میں جہاد کے متعلق جو آیات ہیں ان میں سے بیشتر آیات جہاد بالسیف کے بارے میں ہیں۔ یعنی خدا اور رسولﷺ کے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنا۔ بظاہر جنگ ایک اچھی چیز نہیں ہے۔ قوموں کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتی ہے۔ اس کے ہولناک اثرات تادیر قائم

رہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں صلح اور امن وامان اگرچہ بہترین چیزیں ہیں۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ شر پسند افراد اور شر پسند قومیں صلح جو افراد اور صلح جو قوموں کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیتیں۔ صلح کے حصول کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک دوسرے کے آگے جھک جائے اور اس کی ہر جائز وناجائز بات مان لے۔ اس سے لڑائی کا خطرہ تو بظاہر ٹل جائے گا، لیکن ماننے والا ہمیشہ کے لئے جھکا رہے گا اور اپنی جائز بات منوانے سے بھی قاصر رہے گا۔ اس طرح اس کا جینا دوبھر ہو جائے گا۔

دوسری صورت مقابلے کی ہے۔ لیکن مقابلہ کرنے والوں میں بھی اگر ایک فریق کمزور اور دوسرا طاقتور ہو تو جنگ کے ٹل جانے کا امکان بہت ہی کم ہے۔ طاقتور کمزور کی کمزوری کے پیش نظر جنگ بر پا کرنے میں جری ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حتی الوسیع بڑھ کر جنگی تیاری کی جائے تاکہ طاقتور کو حملہ کرنے کی جرات نہ ہو اس طرح جنگ کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ۔ (16)

یعنی: "اے صاحبانِ ایمان ان (کفار) سے مقابلے کے لئے جس قدر ممکن ہو قوت کے سامان اور پلے ہوئے مضبوط گھوڑے تیار رکھو تاکہ تمہارا رعب چھایا رہے۔"

قرآن میں کثیر تعداد میں موجود آیات جہاد کی وجہ سے یہ بات شہرت حاصل کر گئی ہے۔ کہ اسلام میں جہاد کو اہم حیثیت حاصل ہے اور اس کے پھیلنے کی وجہ بھی جہاد ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔ ڈاکٹر مجید خدوری جو کہ عیسائی ہیں اور امریکہ کی ہپکین یونیورسٹی میں مشرقی علوم کے استاد ہیں، اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عرب کا مزاج جنگوانہ تھا۔ ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے۔ اسلام ان کے مزاج تبدیل نہیں کر سکا۔ بلکہ ان کے مزاج سے فائدہ اٹھایا اور کہا کہ جہاد ایک عظیم عبادت ہے اور اسلام کا اساسی رکن ہے۔'' (17)

حالانکہ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اور قوانین نے انسان کی جان اور خون کو محترم قرار دیا گیا ہے۔ جس مذہب میں اس اصول کو تسلیم نہیں کیا گیا اس مذہب کے تحت کوئی بھی انسان پُرامن زندگی نہیں گزار سکتا۔ اگر صرف انسانیت کی نظر سے دیکھا جائے تب بھی ذاتی مفاد کی خاطر کسی شخص کو قتل کرنا بدترین جرم ہے۔

دنیا کے سیاسی قوانین تو انسانی احترام کو صرف سزا کے خوف کے ذریعے قائم کرتے ہیں۔ مگر ایک سچا دین انسانی دلوں میں امن کی صحیح اہمیت پیدا کر دیتا ہے۔ تاکہ جہاں انسانی تعزیر کا خوف نہ ہو وہاں بھی ایک انسان دوسرے انسان کا خون کرنے سے پرہیز کرے۔ اس نقطۂ نظر کی صحیح تعلیم اسلام نے دی ہے جو کسی دوسرے دین میں ناپید ہے۔ قرآن کریم نے مختلف پیراؤں میں اور مختلف مقامات پر اسے اجاگر کیا ہے۔ وہ خدا کے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا۔ (18)

یعنی: "اور جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا کے مرتکب نہیں ہوتے جو ایسا کرے گا وہ اپنے گناہ میں مبتلا ہوگا۔"

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا۔ (19)

یعنی: "جس نے کسی ایک شخص کو قتل کیا جبکہ خون کے بدلے یا زمین پر فساد پھیلانے کے جرم میں نہ ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی۔"

اس تعلیم کے اولین مخاطب وہ لوگ تھے جن کے نزدیک انسانی جان ومال کی کوئی قیمت نہ تھی اور جو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اولاد جیسی نعمت کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ رسول خدا ﷺ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ان کے مزاج کی اصلاح کے لئے خود بھی احترام نفس کی

تلقین کرتے تھے۔ احادیث نبویؐ میں اس قسم کے ارشادات اور بیانات کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے۔ جس میں ناحق خون بہانے کو گناہ عظیم اور بدترین جرم کہا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

الکبائر الشراک باللہ وقتل النفس وعقوق الوالدین والیمین الغموس۔ (20)

یعنی: "اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسم کھانا گناہان کبیرہ میں سے ہے۔"

قرآنی تعلیمات، ارشادات نبوی اور آنحضرت ﷺ کے طرزِ عمل کی بدولت ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں عرب جیسی خونخوار اور حیوانی مزاج رکھنے والی قوم کے اندر احترام نفس اور امن پسندی کا ایسا مادہ پیدا ہوا کہ ایک خاتون رات کی تاریکی میں تن تنہا قادسیہ سے صنعا تک سفر کرتی تھی اور کوئی اس کی جان ومال پر حملہ نہ کرتا اور وہ بحفاظت اپنی منزل تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ حالانکہ یہ انہیں درندوں اور لیٹروں کا شہر تھا جہاں بڑے بڑے دل گردے والے بھی گزرتے ہوئے لرز جایا کرتے تھے۔ حیوانیات اور قساوت قلبی ان کے لئے عام بات تھی۔

ایسے سنگین حالات میں اسلام نے یہ آواز بلند کی۔ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ۔ اس انسان کو مت قتل کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ مگر جب حق اس کے قتل کا مطالبہ کرے۔ اس آواز میں ایک قوت تھی۔ اس لئے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچی اور اس نے انسانوں کو اپنی جان کی صحیح قدر و قیمت سے آگاہ کیا۔ کوئی انصاف پسند انسان اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ دنیا کے اخلاق و قوانین میں انسانی جان کی حرمت اور کرامت قائم کرنے کا جو فخر مذہب اسلام کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ صرف یہ نہیں فرمایا کہ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ بلکہ ساتھ إِلَّا بِالْحَقِّ بھی کہا ہے۔ اس طرح صرف یہ نہیں کہا کہ من قتل نفسا فکانما قتل الناس جمیعا بلکہ بغیر نفس او فساد فی الارض کی قید بھی لگائی ہے۔ مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی بھی نفس کو کسی بھی صورت میں قتل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ عدل کے منافی ہے دوسرے پر ظلم ہے۔ دنیا کو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ انسان کو قانون کی گرفت سے آزاد کردیا جائے کہ جتنا چاہے اور جہاں چاہے فساد برپا کرے۔ جس قدر چاہے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دے۔ جس کو چاہے بے آبرو کردے اور اس کے باوجود اس کی جان محترم رہے۔ جس قدر چاہے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیے۔ جس کو چاہے بے آبرو کردے اور اس کے باوجود اس کی جان محترم رہے، بلکہ اصل ضرورت یہ تھی کہ دنیا میں امن وامان کی خوشگوار فضا قائم کی جائے اور ایک ایسا دستور العمل تیار کیا جائے کہ ہر شخص اپنی حدود میں آزاد بھی رہے اور اپنی حدود سے تجاوز بھی نہ کرے۔ اسی لئے" الا بالحق" کہا تاکہ امن قائم کیا جاسکے۔

قتل ناحق کی ایسی سخت ممانعت اور قتل حق کی ایسی سخت تاکید کرکے شریعت اسلامیہ نے افراط اور تفریط کی راہوں کے درمیان عدل وانصاف کی سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کی ہے۔ ایک طرف تجاوز کرنے والا وہ گروہ ہے جو انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھتا اور دوسری طرف وہ غلط فہم گروہ ہے جو انسانی خون کی دائمی حرمت کا قائل ہے اور کسی صورت میں اسے بہانا جائز قرار نہیں دیتا۔ اسلام نے ان دونوں غلط خیالوں کی تردید کی ہے۔ اس نے یہ تعلیم دی ہے کہ انسانی نفس کی حرمت نہ تو دائمی اور ابدی ہے اور نہ اس قدر ارزاں ہو کہ نفسانی جذبات کی خاطر اسے ہلاک کردیا جائے۔ بلکہ اس کی قدر و قیمت اس وقت تک ہے جب تک وہ سرکشی اختیار نہیں کرتا اور اور حق پر دست درازی نہیں کرتا۔ اگر سرکشی کرتا ہے تو پھر اپنی قیمت کھو دیتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی گروہ سرکشی پر اتر آتا ہے تو معاشرے کا امن وسکون تباہ ہوجاتا ہے اس کی معاشی ترقی رک جاتی ہے۔ عدل وانصاف کی بجائے ظلم وستم کا راج قائم ہوجاتا ہے۔

عام لوگوں کے حقوق پائمال ہونے لگتے ہیں۔ ایسی صورت میں جنگ نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوجاتی ہے۔ اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی ہے کہ صفحہ ہستی سے ان خونخوار اور بھیڑیوں کا وجود مٹادیا جائے۔ ان مفسدوں کے شر سے اللہ کے مظلوم وبے کس بندوں کو نجات دلائی جائے جو مادی اور اخلاقی تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت انسان کے روپ میں انسانیت کے حقیقی دشمن ہیں۔ ایسے وقت میں انسانیت کے ہر بہی خواہ شخص کا اولین فرض یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف تلوار اٹھائے اور اس وقت تک آرام نہ کرے جب تک مخلوق خدا کو

اس کے کھوئے ہوئے حقوق واپس نہ مل جائیں۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سورہ بقرہ آیت ۲۵۱ میں خدا فرماتا ہے:

وَلَوْلاَ دَفْعُ اللّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الأَرْضُ وَلَـكِنَّ اللّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ۔

یعنی: "اور اگر اللہ بعض کے ذریعے بعض کا دفاع نہ کرتا رہتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا لیکن اہل عالم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللهِ كَثِيرًا۔

یعنی: "اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے نہ روکتا تو تمام گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مجوسیوں کے عبادت خانے اور مساجد سب گرا دیئے جاتے جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔"

در حقیقت یہی فساد و بدامنی اور ظلم و جبر کی جنگ ہے جسے دفع کرنے کے لئے اللہ نے اپنے نیک بندوں کو تلوار اٹھانے کا حکم دیا ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ (21)

یعنی: "جن لوگوں پر جنگ مسلط کی گئی ہے انہیں جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم واقع ہوئے ہیں اور اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں۔"

اس آیت میں جن لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا جارہا ہے ان کا جرم یہ نہیں ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے پیروکار ہیں، بلکہ ان کا جرم یہ ہے کہ وہ ظلم کرتے، لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں یعنی قرآن ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا کہتا ہے۔ اسی جہاد کا حکم دیتا ہے جس سے ظلم کا خاتمہ ہو نہ کہ اس جہاد کا جو ظلم کا باعث بنے یعنی جہاد دفاعی کا حکم دیتا ہے نہ کہ ابتدائی کا اور یہ حکم عین عدل ہے اور عقل کے مطابق ہے۔ عقل اور عدل وانصاف ہر انسان کو اپنے دفاع کا حکم دیتی ہے۔ یہی وہ جہاد ہے جس کی فضیلت سے قرآن وحدیث کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یہی وہ حق پرستی کی جنگ ہے جس میں ایک رات کا جاگنا ہزار راتیں جاگ کر عبادت کرنے سے افضل ہے۔ جس راہ میں غبار آلود ہونے والے قدموں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو جہنم کی آگ کی طرف نہیں گھسیٹا جائے گا۔

جہاد فی سبیل اللہ سے دنیاوی دولت، ملک گیری حتی کہ دین اسلام نافذ کرنا بھی مقصود نہیں ہوتا۔ قرآن نے واضح لفظوں میں کہا ہے کہ لا اکراہ فی الدین (بقرہ ۲۵۶) دین میں جبر واکراہ نہیں ہے۔ مقصد فتنہ و فساد کی نابودی ہے۔ خدا کو یہ برداشت نہیں ہے کہ اس کے بندوں کو بے قصور تباہ وبرباد کیا جائے۔ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جس میں یہ حکم دیا جارہا ہو کہ جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہو اور لوگوں کا قتل عام کرکے انہیں اسلام لانے پر مجبور کرو۔ اسلام میں جنگ کا جوازی صرف ظلم وستم کا مقابلہ کرتے ہوئے دفاعی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں کہیں بھی اسلام نے جنگ کو جائز قرار دیا ہے صرف مظلوموں کی حمایت میں استعمار اور استکبار کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے۔ پھر جنگ کے دوران بھی ضعیف افراد کو دبانے سے منع کیا ہے۔ بوڑھوں، بچوں اور خواتین کو قتل کرنے سے روکا گیا ہے۔

میدان جنگ سے بھاگ جانے والوں کا پیچھا کرنے سے منع کیا ہے۔ زبان پر کلمہ شہادتین جاری کرنے والوں پر تلوار نہیں اٹھائی جاسکتی۔ کھیتوں اور بستیوں کو اجاڑا نہیں جاسکتا۔ یہ سارے فرمودات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اسلام خون ریزی کو پسند نہیں کرتا۔ حتیٰ الامکان اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔

شہید مطہریؒ کہتے ہیں:

"محققین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جہاد کی ماہیت دفاعی ہے۔ یعنی اسلام میں کسی دشمن کا مال وثروت کے چھیننے یا اس پر حکومت قائم کرنے کی غرض سے جنگ کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ اس طرح کی جنگ اسلام کی نگاہ میں جارحیت

کہلاتی ہے۔ صرف وہی جہاد اسلام میں مشروعیت رکھتا ہے جو صرف دفاع کے عنوان سے اور جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لئے ہو۔"

(22)

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور تم راہِ خدا میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو کیونکہ اللہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کرو اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ یقینا فتنہ قتل سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ ہاں مسجد الحرام کے پاس ان سے اس وقت نہ لڑو جب تک وہ وہاں تم سے نہ لڑیں لیکن اگر وہ تم سے لڑیں تو پھر ان سے لڑو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔" (23)

مختصر یہ کہ قرآن دفاعی جنگ کی حمایت کرتا ہےاور ابتدائی جنگ کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اسلام صلح وامن کی حمایت کرتا ہے۔ سورہ انفال: آیت 60۔61 میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور ان کفار کے مقابلے کے لئے تم سے جہاں تک ہوسکے طاقت مہیا کرو اور پلے ہوئے گھوڑوں کو مستعد رکھو تاکہ تم اس سے اللہ اور اپنے دشمنوں نیز دوسرے دشمنوں کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور راہِ خدا میں جو کچھ تم خرچ کروگے وہ تمہیں پورا دیا جائے گا اور تم پر زیادتی نہ ہوگی۔ اور اگر وہ صلح وآشتی کی طرف مائل ہوجائیں تو آپ بھی مائل ہوجائیے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے یقینا وہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔"

سورہ نساء آیت 90 میں بھی خدا یہی حکم دیتا ہے کہ اگر وہ تم سے الگ رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر بالادستی کی کوئی سبیل نہیں رکھی۔

مختصر یہ کہ قرآن دفاعی جنگ کی حمایت کرتا ہے اور ابتدائی جنگ کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اسلام دفاعی جنگ میں بھی انسانی اقدار کی رعایت کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ انسان اقدار سے مراد وہ اخلاقی اصول ہیں جن کی رعایت ہر مذہب کے افراد کے ساتھ جنگ میں ضروری ہے۔ مثلاً۔

الف۔ جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت: کیونکہ جنگ کا مقصد کشور کشائی نہیں ہے، بلکہ توحید کا پرچار ہے۔ اسلامی قوانین جو کہ درحقیقت انسانی فطرت کے مطابق ہیں کا نفاذ ہے۔ اسی لئے مخالفین کو پہلے اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو جنگ حرام ہوجاتی ہے۔ رسول خداﷺ نے جب امیر المؤمنینؑ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دینے سے پہلے جنگ نہ کرنا۔ اگر خدا تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج چمکتا ہے۔

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام میں صلح اور مذاکرات کی دعوت جنگ پر مقدم ہے۔

ب۔ پناہ مانگنے والوں کو پناہ دینا: اگر کوئی کافر کسی مسلمان یا اسلامی حاکم سے پناہ کا تقاضا کرے تو اسے امان دینا ضروری ہے۔ اسی سلسلے میں ہر مسلمان کچھ شرائط کے ساتھ اسے پناہ دینے کا حق رکھتا ہے کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ امان دی گئی صورت میں امان حاصل کردہ افراد کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ کرے۔ جیسا کہ سورہ توبہ آیت 6 میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ذٰلِكَ۔

یعنی: "اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دیں تاکہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے پھر اسے اسی کی جگہ پر پہنچا دیں۔"

ج۔ جنگ میں خواتین، بچوں اور بوڑھوں وغیرہ کی حفاظت کرنا: مذکورہ افراد کی دورانِ جنگ حفاظت کرنا اسلامی دستورات میں سے ہے۔ کسی مسلمان فوجی کو حق نہیں ہے کہ وہ انہیں نشانہ بنائے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول خداﷺ جب کسی کو جنگ کی طرف بھیجتے تھے تو انہیں بلا کر کہتے تھے۔

سیروا بسم الله و بالله وفی سبیل الله وعلی ملة رسول الله لا تغلوا و لا تمثلوا و لا تغدروا و لا تقتلوا شیخاً فانیا و لا صبیا و لا امراة ولا تقطعوا شجراً الا ان تضطروا الیها

یعنی: "خدا کے نام سے آگے بڑھو اللہ کی راہ میں اور فرمان رسولﷺ کے مطابق چلو لیکن یاد رکھو تجاوز نہ کرنا، کسی کا مثلہ نہ کرنا یعنی اس کے ناک، کان یا دوسرے اعضائے بدن کو نہ کاٹنا۔ قتل وغارت نہ کرنا، بوڑھے، بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا اور درختوں کو نہ اُکھاڑنا مگر جب مجبور ہو جاؤ۔" (24)

د۔ کھیتوں کو آگ لگانے، درختوں کو کاٹنے، پانی کو زہر آلودہ کرنے سے منع کرنا: رسول خداﷺ نے لشکر کے سپہ سالار کو تقویٰ الٰہی کی نصیحت کرنے کے بعد فرمایا:

ولا تحرقوا النخل ولا تغرقوه بالماء و لا تقطعوا شجرة مثمرة و لا تحرقوا زرعاً و لا تعقروا من البهائم مما یؤکل لحمه الا ما لا بد لکم من اکله۔ (25)

باغات کو نہ جلانا اور نہ ہی کسی کو پانی میں ڈبونا، پھل دار درختوں کو نہ اکھاڑنا، نہ کھیتوں کو جلانا اور نہ ہی جانوروں کو پے کرنا، جن کا گوشت کھایا جاتا ہے مگر کھانے کے لئے ذبح کرنا جائز ہے۔

جہاد اور دہشت گردی

مذکورہ بالا مطالب سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دہشت گردی کو ہرگز جہاد کا نام نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اولا تو جہاد ایک دفاعی امر ہے۔ یعنی دشمن کی جارحیت کے مقابلے میں مسلمان اپنی عزت وآبرو کا دفاع کر سکتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ رسول خداﷺ کی سیرت یہ رہی ہے کہ آپ دفاعی صورت میں بھی اس وقت تک تلوار نہیں اٹھاتے تھے جب تک خدا کا حکم نہ آجائے۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ دشمنوں کو صلح کی دعوت دی جائے۔ مذاکرت سے مسائل حل کئے جائیں۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ اسلام میں ظاہری دشمن کے مقابلے میں باطنی دشمن کے ساتھ جنگ کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ظاہری دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اصغر کہا گیا ہے اور باطنی دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔

اسلام دین صلح وسلامتی ہے۔ اسی لئے معاشرے کو پرامن رکھنے پر بہت زور دیتا ہے۔ جنگ کے دوران بھی انسانی اقدار کی رعایت کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اسلام کی نظر میں بے گناہ افراد کو قتل کرنا، خواتین، بچوں اور بوڑھوں کو نقصان پہنچانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ لہٰذا کیسے بعض لوگ جہاد کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں، بچوں، خواتین اور بے گناہ لوگوں کو قتل کرکے اسے جہاد اسلامی کا نام دیتے ہیں۔ یہ کام کسی بھی صورت بھی اسلام کی نظر میں جائز نہیں ہے اور کسی بھی عنوان سے انسانی قتل عام، بے گناہ لوگوں کا خون بہانا اور بچوں اور عورتوں کو دھماکہ خیز مواد سے اڑانا اسلامی جہاد نہیں کہلاتا۔ وہ اسلام جو دفاعی جہاد میں بھی انسانی اقدار کا خیال رکھتا ہے وہ دہشت گردی کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ یقیناً جو افراد اس قسم کے اقدامات کرتے ہیں ان کا تعلق دین اسلام سے نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ خود کو کسی بھی فرقے سے منسوب کرتے رہیں۔ ایسے افراد اسلام مخالف عناصر کے آلہ کار ہیں جن کا مقصد ہی اسلام کو بدنام کرنا ہے۔

ابتدائی جہاد

فقہانے قرآن کریم میں موجود بعض آیات سے استدلال کیا ہے کہ جہاد ابتدائی واجب ہے یہاں ہم ان آیات کو ذکر کرتے ہیں اور پھر یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ کیا واقعاً یہ جہاد ابتدائی کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں یا نہیں۔

۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ خُذُواْ حِذْرَكُمْ فَانفِرُواْ ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُواْ جَمِيعًا (26)

یعنی: "اے ایمان والو! اپنے تحفظ کا سامان اٹھالو اور گروہ گروہ یا اکٹھے نکل کھڑے ہو۔"

ابتدائی نظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت صاحبان ایمان کو کہہ رہی ہے کہ اپنا اسلحہ اٹھاؤ اور جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو۔ لیکن اگر آیت پر غور کیا جائے تو جہاد ابتدائی ثابت نہیں ہوتا بلکہ مطلق جہاد ثابت ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ جہاد دفاعی ہو اور ہو سکتا ہے کہ جہاد ابتدائی ہو، جب اعم ہے تو جہاد ابتدائی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اکثر مفسرین نے اس سے مراد جہاد دفاعی لیا ہے۔ آیت اللہ ناصر مکارم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حذر حضر کے ہم وزن ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو تیار رکھو۔ البتہ کبھی اس ذریعہ کو بھی کہتے ہیں جس کے ذریعے خطرے سے خود کی حفاظت کی جاتی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ اس آیت میں اہل ایمان کو دو اہم حکم دیئے جا رہے ہیں۔

الف: دشمن سے غافل نہ رہو بلکہ ہوشیار رہو کہ کہیں وہ تمہیں غافل پا کر تم پر حملہ آور نہ ہو جائے اور تم غفلت میں مارے نہ جاؤ۔

ب: دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے مختلف ٹکنیک اختیار کرو۔ کبھی سب مل کر مقابلہ کرو اور کبھی گروہ گروہ کی شکل میں۔

یہ آیت ہر دور میں تمام مسلمانوں کو حکم دے رہی ہے کہ وہ ہر وقت اپنی امنیت کی حفاظت اور اپنی سرحدوں کے دفاع کے لئے تیار رہیں۔ (27)
علامہ محمد حسین طباطبائیؒ نے تفسیر المیزان اور مرحوم طبرسی نے مجمع البیان فی تفسیر القرآن میں بھی یہی کہا ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت دشمن سے ہوشیار اور اپنے دفاع کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

۲۔ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالآخِرَةِ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّهِ فَيُقْتَلْ أَو يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (28)

یعنی: "اب اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو جہاد کرنا چاہیے جو دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ دیتے ہیں اب جو بھی راہ خدا میں جہاد کرے گا وہ قتل ہو جائے یا غالب آجائے دونوں صورتوں میں ہم اسے عظیم اجر عطا کریں گے۔"

یہ آیت بھی مطلق جہاد کی بات کر رہی ہے۔ یعنی جہاد ابتدائی اور دفاعی دونوں اس میں شامل ہیں۔ لہٰذا دلیل اعم سے مدعیٰ ثابت نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ مفسرین کے بقول یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب داخلی اور خارجی دشمن مسلمانوں کو ہراساں کر رہے تھے۔ انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایسے پس منظر میں ضروری تھا کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائی جائے۔ ان کے دلوں سے خوف ختم کیا جائے۔ یہی کام آیت نے کیا کہ اے مسلمانو یہ تو عارضی زندگی ہے۔ اصل زندگی آخرت والی ہے۔ لہٰذا اللہ کی خاطر لڑو۔ اگر زندہ رہے تو بھی اجر ملے گا اور اگر شہید ہو گئے تب بھی اجر عظیم کے مستحق قرار پاؤ گے۔

یہ محض آمادگی پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمان ہمیشہ تیار رہیں اگر جنگ کا موقع آئے تو گھبرائیں نہیں۔ اگر اس سے مراد ابتدائی جہاد کا وجوب ہوتا تو مفسرین اسے بیان کرتے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول خدا ﷺ نے کسی مشرک علاقے پر چڑھائی کی تھی۔ جبکہ کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے چڑھائی کی ہو۔

۳۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ يَغْلِبُواْ أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَفْقَهُونَ۔ (29)

یعنی: "اے نبی مومنین کو جنگ کی ترغیب دلائیں اگر تم میں سے بیس صابر ہوں تو وہ دوسو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سو افراد ہوں تو وہ ایک ہزار پر غالب آ جائیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔"

یہ آیت بھی اہل ایمان کی تقویت کو بیان کر رہی ہیں یعنی اگر ایک شخص صحیح مومن ہے تو وہ دس کافروں جتنی طاقت رکھتا ہے لہٰذا اگر کبھی جنگ کا موقع آئے تو اہل ایمان کو گھبرانا نہیں چاہیے۔ ایمان کامل رکھو پھر خوف نہیں ہوگا۔ اسی لئے آگے آیت ہے: "الْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْنِ"۔ یعنی: اب اللہ نے تم سے (اپنے حکم کا بوجھ) ہلکا کر دیا اسے معلوم ہے کہ تم میں (کسی قدر) کمزوری ہے سو (اب تخفیف کے بعد حکم یہ ہے کہ) اگر تم میں سے (ایک) سو (آدمی) ثابت قدم رہنے والے ہوں (تو) وہ دو سو (کفار) پر غالب آئیں گے۔

مقصد یہ ہے کہ جس قدر ایمان مضبوط ہوگا اسی قدر جہاد میں کامیابی ملے گی۔

۴۔ فَإِذَا انسَلَخَ الأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُواْ الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُواْ لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُواْ وَأَقَامُواْ الصَّلاَةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ فَخَلُّواْ سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (30)

یعنی: "پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور انہیں پکڑو اور گھیر و اور ہر راستہ اور ہر گزرگاہ پر بیٹھ جاؤ اور راستہ تنگ کر دو پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو کہ خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

اس آیت کو جہاد ابتدائی کی اہم ترین دلیل کہا گیا ہے۔ حالانکہ آیت کے سیاق وسباق کو دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ان مشرکین کے متعلق حکم ہے جو معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور جب بھی موقع ملتا ہے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذکورہ آیت سے پہلے آیت ہے:

إِلاَّ الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُواْ عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّواْ إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ۔ (31)

یعنی: "البتہ جن مشرکین سے تمہارا معاہدہ تھا پھر انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی اور تمہارے خلاف ایک دوسرے کی مدد نہیں کی تو ایسے لوگوں کے ساتھ جس مدت کے لئے معاہدہ ہوا ہے اسے پورا کرو۔ یقیناً خدا اہل تقویٰ کو دوست رکھتا ہے۔"

مشرکین وہ لوگ تھے جنہیں گذشتہ ۲۲ سال سے اسلام کی دعوت دی جارہی تھی۔ اس دوران ان لوگوں نے مسلمانوں کو ہر قسم کی اذیت دی۔ انہیں گھروں سے نکالا۔ ان کے خلاف کئی جنگیں لڑیں اور کوئی ایسا ظلم وزیادتی نہیں چھوڑی جو وہ کر سکتے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود آج مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں اسلامی شعائر پر عمل پیرا ہوں تو ان سے معترض نہ ہوں۔ ان کو امن اور آزادی دیں: "وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلاَمَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ" اور اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سنیں پھر اسے اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی جنگوں کا مقصد اپنے نظریات کو جبر واکراہ کے ساتھ دوسروں پر مسلط کرتا نہیں ہے۔ بلکہ یہ جنگیں جبر اکراہ اور ظلم وبربریت کے خلاف لڑی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب جبر واکراہ کی رکاوٹ ختم ہو جاتی ہے تو اسلام جنگ سے ہاتھ روک لیتا ہے اور مخالفین کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ رسول خداﷺ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی جنگ کی ابتداء نہیں کی۔ ہمیشہ دفاعی جنگ لڑی ہے کیونکہ رسول خداﷺ کا اصل ہدف تو اسلام کا پیغام پہنچانا ہے نہ کہ لوگوں کو زبردستی دین میں داخل کرنا ہے۔ قرآن نے صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ "لا اکراہ فی الدین" دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ تو پھر رسول خداﷺ کیسے جنگ کے ذریعے لوگوں کو دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم رسول خداﷺ کی حیات طیبہ میں لڑی جانے والی جنگوں کے علل واسباب پر غور کرتے ہیں تو واضح

ہو جاتا ہے کہ رسول خداﷺ کے کسی عمل کی وجہ سے جنگ برپا نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ جنگیں آپ پر تھوپی گئی تھیں۔ لہٰذا یہ تصور کہ اسلام جہاد اور تلوار کے زور سے پھیلا ہے دشمنان اسلام کا پیدا کردہ ہے اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ابن منظور، لسان العرب ج ۳، ص ۱۳۳، مادہ ج،ہ،د

2۔سید علی طباطبائی، ریاض المسائل، ج ۷، ص ۴۴۰

3۔فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ص ۴

4۔فرقان: ۵۲

5۔شیرازی، مکارم، تفسیر نمونہ، ج ۱۶، ص ۱۲۲

6۔طبرسی، تفسیر مجمع البیان، ج ۷، ص ۲۷۳

7۔امام احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۲، ص ۴۱۸

8۔قرطبی، تفسیر القرطبی، ج ۸،۲۹۶

9۔بغوی، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۵۶۸

10۔زمخشری، الکشاف، ج ۱، ص ۴۵۲

11۔مسلم نیشاپوری، صحیح مسلم، ج ۱، ص ۵۱

12۔طبرانی، المعجم الکبیر، ج ۸، ص ۲۸۲

13۔یوسف: ۵۳

14۔شمس: ۹-۱۰

15۔کلینی، الکافی، ج ۵، ص ۱۲، صدوق، الامالی: ص ۵۵۳

16۔انفال: ۶۰

17۔ڈاکٹر خوری، جنگ و صلح در قانون اسلام۔ مترجم: غلام رضا سعیدی، ص ۸۲

18۔فرقان: ۶۸

19۔مائدہ: ۳۲

20۔امام بخاری، صحیح البخاری: ج ۷، ص ۲۲۸

21۔حج: ۳۹-۴۰

22۔استاد مطہریؒ، جہاد، ص ۶۳ ماہیت جہاد دفاع است

23 ۔بقرہ: آیت ۱۹۰-۱۹۱

24۔شیخ طوسی، تہذیب الاحکام: ج ۱، ص ۱۲۶

25۔شیخ کلینی، الکافی، ج ۵، ص ۲۹

26۔نساء: ۷۱

27۔شیرازی مکارم، تفسیر نمونہ، ج ۴، ص ۳،۲

28۔نساء ۷۴

29۔انفال: ۶۵

30۔توبہ: ۵

31۔توبہ: ۴